

قصص القرآن

مسلم اول

از جناب چودہری غلام احمد صاحب پریزہ۔ ہوم ڈپارٹمنٹ (شملہ)

دنیا کے بڑے بڑے مذاہب میں سے جسے دیکھنے کوئی تو اپنے بانی کے نام سے منسوب ہے جیسے بدھ مت عیسائیت وغیرہ اور کوئی اس قوم کے نام سے معروف جس قوم کی طرف وہ داعی مذہب مبعوث ہوئے مثلاً ہندو مت یہودیت وغیرہ لیکن اس کلیہ میں اگر کہیں استثناء نظر آئے گا۔ تو دنیا کے سب سے بڑے مذہب اسلام ہی ہے۔ تو اپنے داعی (صلعم) کے نام سے منسوب ہے اور نہ اس قوم کے نام سے موسوم جس میں اس داعی الی الحق کی بعثت ہوئی یہی وجہ تھی کہ جب یورپ اسلام کے نام سے شناسا ہوا تو وہ اس حقیقت کو باور ہی نہیں کر سکا۔ کہ مذہب بانی مذہب کے نام کے بغیر بھی شمال سے باہر آ سکتا ہے۔ اور دنیا میں اس کا چلن اس طریق سے بھی ممکن ہے۔ لہذا دنیا کی اس سنت قدیمہ اور کچھ اپنی ذہنی افتاد کی بنا پر اس نے اسلام کا نام محمدیت اور اس کے متبعین کا نام محمدی رکھ دیا۔ یورپ تو خیر نا واقع تھا۔ لیکن حیرت کا مقام ہے کہ ہمارے بعض مسلمان روشن خیال حضرات نے بھی بہ اتباع یورپ اسلام اور مسلم کو یورپ کے وضع کردہ نام سے پکارنا شروع کر دیا اور آج بلا تامل محمدیت (Mohammadanism) اور محمدی (Mohammadans) کے الفاظ سننے میں آرہے ہیں۔ حالانکہ داعی اسلام (صلعم) کی بے غرض دعوت الی اللہ کے ثبوت میں منجملہ دیگر دلائل و براہین کے ایک یہ بھی تیسرا انگیزہ دلیل ہے کہ ان کی اس عظیم الشان دعوت میں نام کی شہرت تک کے جذبے کو بھی دخل نہیں۔

اب قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ نام بھی داعی اسلام کے وضع فرمودہ نہیں تو بالآخر اتنے بڑے جلیل المرتبت مذہب کا نام اسلام کس نے رکھا۔ اور اس کے پیروں کو مسلم کے لقب سے کس نے یاد فرمایا۔ اور عام دنیا کے مذہب کے قاعدے خلاف ایسا کیوں کیا گیا۔ قرآن کریم نے اس سوال کا جواب بڑی شرح و بطن سے دیا ہے، اور مختلف گوشوں اور متنوع عنوانوں سے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ قرآن نے اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے کہ اسلام کسی انسان کا وضع کردہ مذہب نہیں ہے۔ ایک صداقت ہے اور دنیا میں اس وقت سے موجود ہے جس وقت سے کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں صداقت ہے مختلف زمانوں میں مختلف اقوام و مملکتوں میں اس صداقت میں کے داعی حسب ضرورت منجانب اللہ مبعوث ہوتے رہے لیکن ان کی بنائی ہوئی عمارتیں یکے بعد دیگرے انسانی سرکشی و تمرد کے سیلاب میں بہتی چلی گئیں۔ ان حقیقتوں پر انسانی تعریفات نے پردے ڈال دئے اور اس طرح سے اس صداقت کا حسن اصلی دنیا کی نگاہوں سے مستور ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ جب اس رب العالمین کو منظور ہوا تو اسی شراب وحدت کو قرآنی آبِ حیات میں بھر کر انھیں سر بہرہ کر دیا کہ اثرات زمانے کے تغیرات سے محفوظ و مصون رہے۔ اور خود اس کے تحفظ و بقا کا ذمہ لے لیا۔ نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ قرآن نے دنیا میں آکر اگرچہ کوئی نئی عمارت نہیں قائم کی لیکن الہی آثارِ قدیمہ کے کھنڈرات میں سے حنود زوائد کو پاک کر کے اسی ازلی عمارت کو اس درجہ محکم و استوار کر دیا کہ حوادثِ ارضی کے متموج تھپڑے آکر گراؤں اور اپنا سر پھوڑ کر واپس چلے جائیں۔ اس نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ میں کتب سابقہ و صحف گذشتہ کی تکذیب کے لئے نہیں بلکہ اس کی اصل تعلیم کی تصدیق کے لئے آیا ہوں جو اس وقت تلاش سے بھی دنیا کو کہیں نہیں مل سکتی تھی اس نے تمام ادیان سابقہ اور اہم گذشتہ پر احسانِ عظیم کیا کہ ان کی کھوئی ہوئی دولت اگر انما یہ کو، جس کے متعلق انھیں علم تک بھی نہ تھا کہ کہاں کہاں سے اڑی اور کہاں کہاں بھیری، ایک محفوظ خزانہ میں بند کر کے ان کے حوالے کر دیا۔ اور اس آواز صداقت، اس دعوتِ حقانیت کا نام بھی کوئی

نیانہ رکھا کہ لوگوں کو مغالطہ نہ لگ جائے۔ بلکہ نام بھی وہی رہنے دیا جو ان ادیانِ حق کے مورثِ اعلیٰ نے تجویز فرمایا تھا۔ اسلام جیسا کہ عرض کیا گیا ہے۔ ایک صداقت ازلی ہے۔ لیکن سب سے پہلے اس صداقت میں کو ایک شریعتِ الہیہ کی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیش کیا تھا۔ اور اس پر ایمان لانے والوں کا نام مسلم بھی انہیں کا تجویز کردہ ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ دین کوئی شخصی میں نہیں بلکہ مِلَّةَ اَبِيكُمْ اِبْرَاهِيمَ۔ هُوَ سَمُّكُمُ الْمُسْلِمِينَ یعنی دعوتِ توحید کے اولین واعظ جناب ابراہیم کی ملت ہے جنہوں نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔ نام ہی نہیں بلکہ اس دین میں کی حقیقت بھی یہی بیان سرمانی کہ۔

قُلْ اِنِّي هَدَانِي رَبِّي اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (اے رسول عربی) اکھڑ بھگے کہ میرے رب نے ایک صراطِ دِينًا قَيِّمًا۔ مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ (۶: ۲۰)

مستقیم کی طرف میری رہنمائی کی ہے۔ یہی دینِ قییم ہے ابراہیم صنیف کی ملت۔ اور ابراہیم مشرکین میں سے نہیں تھے۔

گویا اسما و معنایہ دینِ قییم حضرت ابراہیم کی ملت ہے جو اسلام کے واعظِ اول اور موحدین کے مورثِ اعلیٰ

۱۔ مشہور مشنری ڈاکٹر ٹڈل نے اپنی کتاب ینابیع الاسلام میں قرآنِ کریم پر ایک ہیئت بڑا الزام یہ بھی عاید کیا ہے کہ اس کی تعلیم و حدائیت کا ماخذ تعلیم ابراہیم ہے اور بعض مناسک و عبادات میں بھی قرآنی تعلیم انہی کی قییم ہے۔ اور اس کے نتیجہ یہ مستنبط کرتا ہے کہ تعلیم قرآنی کا سرچشمہ ہدایت علمِ الہی و وحی ربانی نہیں بلکہ یہ محض شراہج سابقہ کی زلہ چینی ہے۔ یہ کتاب اور اس کے یہ گواہ باحقائق و معارف۔ مترجم کتاب سر ولیم میور کے نزدیک اس قدر متمہم بالشان میں کہ انہوں نے بڑے زور کے ساتھ لکھا ہے کہ اس کتاب کا ترجمہ تمام السنہ شرقیہ میں ہو جانا چاہئے۔ تاکہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں۔ ماخذ اسلام کو بے نقاب دیکھ لیں گویا سر ولیم میور کے نزدیک ڈاکٹر صاحب کی ریسرچ (تحقیق) اس قدر بلندی پر پہنچی کہ اس حقیقت کی پردہ کشائی کے بعد تمام قرآنی دعاوی کی عارت ڈھیر ہو کر رہ جائے گی۔ مصنف و مترجم کتاب اور ان کے دعاوی کے متعلق کو کچھ کہنا ہی بیکار ہے کیونکہ انکا تو یہ مشن ہی ٹھہرا کہ عوام کی نادانانہ حقیقت سے فائدہ اٹھائیں۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو نسی خصوصیات کے حامل تھے کہ انہیں قرآن کریم نے پرستش و عبادت خدائے واحد کے اولین داعی کی حیثیت سے پیش کیا ہے ان کے تجویز فرمودہ نام سے اس دین حقہ کو یاد کیا ہے۔ جو نظم و نسق عالم میں قانون فطرت کی طرح جاری ہے۔ اور اس نام سے اس امت کو موسوم کیا ہے جس کے متعلق خود اس کا ارشاد ہے کہ

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے ظاہر کیا گیا ہے۔

جن کے فرائض میں یہ چیز داخل کر دی ہے کہ۔

تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو۔

اور جنہیں امت وسطاً قرار دیکر تمام انسانوں پر گواہ فرمایا ہے۔

قرآن حکیم میں ایک بڑا حصہ انبیاء سابقین کے قصص و اعمال اور اہم گذشتہ کے سونچ و احوال کا ہے لیکن یہ قصے اور کہانیاں ایک افسانہ گوئی طرح بیان نہیں کی گئیں ہیں کہ دفع الوقتی کے کام آئیں۔ کفار نے قرآن پر جب یہ اعتراض کیا کہ ان ہذا الا اساطیر الاولین (کہ یہ تو بس اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں تو قرآن نے فوراً جواب دیا کہ یہ قصے محض افسانے نہیں بلکہ بصائر و حکم (ہذا ابصار للناس اور عبر و موعظت) (ہذہ تذکرہ) کا مرقع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں۔ عہد عتیق کے قصص و حکایات

لیکن ہم اپنے ان نادان مسلمان روشن خیال حضرات سے جو مشرقین یورپ کے ہر ایک قول کو وحی منزل سے بھی زیادہ واجب التسلیم سمجھتے ہیں اتنا ضرور عرض کریں گے کہ وہ علماء یورپ کی اس درجہ قرآن نہمی کی ذرا داد دیں کہ جس چیز کو قرآن نے اپنی دعوت کا بنیادی اصول قرار دیا ہے وہ اسی چیز کو بڑے دور و دراز گونٹوں سے جا کر تماش کر کے لاتر میں۔ اور اسے اس قدر بڑے اہم کی صورت میں پیش کرتے ہیں کہ گویا مسلمانوں سے اس کا جواب نہیں بن آئیگا اور ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ یہ تحقیق "ہر ایک مسلمان کے کان تک ضرور پہنچا دیا جائے۔"

پر وزیر

ہمارے بھی میں مہرباں کیسے کیسے

کی طرح۔ کوئی قصہ شروع سے اخیر تک بطور کھاتی کے بیان نہیں ہوا۔ بلکہ اس کا عام انداز بیان یہ ہے کہ وہ پہلے ایک خاص تعلیم پیش کرتا ہے اور پھر اس تعلیم کی صداقت کے ثبوت میں اہم سابقہ اور انبیاء گذشتہ کے حالات و واقعات سے ایک خطابی استدلال کرتا ہے تاکہ تعلیم اور اس کے نتائج بیک وقت سنے آجائیں۔ چنانچہ ان قصص و حالات کے مختلف نکتے حسب موقع مختلف مقامات پر مذکور نظر آئیں گے انہی واقعات میں حضرت ابراہیم کے کوائف حیات مندرجہ موتیوں کی طرح جا بجا بکھرے پڑے ہیں لیکن اس افراط سے کہ انہیں اگر ایک سلسلہ میں دیکھا جائے تو حضور علیہ السلام کی حیات مقدمہ کے مختلف پہلوؤں پر کافی روشنی پڑ جاتی ہے۔ اور اس لئے کہ تمام قرآن میں اگر مسلمانوں کے لئے کسی زندگی کے از سر تا پا اعمال بطور نمونے کے پیش کئے گئے ہیں اور ان کے اتباع کی دعوت دی گئی ہے تو وہ صرف دو نمونے ہیں۔ خود شریعت اسلامیہ کے داعی کریم صلعم کی نسبت

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ بَشِيك تَهَارے رول اللہ صلعم کی زندگی (مبارک) پیروی اور اتباع کے لئے ایک بہترین نمونہ ہے۔ (احزاب)

اور پھر ملت ضیفی کے داعی اول کی نسبت ارشاد ہوا۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ بَشِيك تَهَارے لئے بہترین نمونہ (حضرت) ابراہیم اور
وَالَّذِينَ مَعَهُ (معتقدہ)
ان کے ساتھیوں کے اعمال حیات میں ہے۔

یہ بات یقیناً غور طلب ہے کہ تمام قرآن میں بیسیوں انبیاء سابقین کے کوائف حیات بیان کئے گئے ہیں لیکن اتباع کے لئے کسی کی تمام زندگی کو بطور نمونے کے پیش نہیں کیا گیا الا حضرت ابراہیم اور ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ۔

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْنَا قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (۱۶:۲)
جب حضرت ابراہیم سے ان کے رب نے کہا کہ مسلم (فرمانبردار) بن جاؤ تو انہوں نے کہا کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کا فرمانبردار بن گیا۔

اس سے ظاہر ہے کہ اسلام کے پہلے داعیؑ کی زندگی تمام تر پیکرِ اسلام تھی اور ان کا ہر عمل حیات اپنے اندر حقیقتِ اسلام کا ایک علی نمونہ رکھتا تھا۔ اس لئے اسلام کے صحیح معنی میں اسوۂ ابراہیمی میں ہی حقیقتِ اسلام کا مادہ لفظِ سلم ہے۔ جو مختلف اشکال میں آکر مختلف معانی پیدا کرتا ہے لیکن لغت میں سلم کے معنی اطاعت۔ گردن جھکانے۔ اور کسی چیز کے سوپ دینے کے ہیں۔ اور قرآن کریم میں ان معانی کے شواہد بکثرت ہیں۔ لہذا سب سے نمایاں یہی حقیقتِ اسلام ہوگی۔ جو حضرت ابراہیم کی زندگی پر طاری ہوگی لیکن اس آخری نتیجہ پر پہنچنے کے لئے حضور صلعم کی حیاتِ مقدسہ کا شروع سے مطالعہ کرنا ضروری ہے تاکہ وہ سلم اول جن منازل کو طے کر کے اس مقامِ تسلیم و رضا تک پہنچا وہ تمام سامنے آجائیں اور استنباط نتائج میں کوئی وقت پیش نہ آئے۔

آج سے قریباً پانچ ہزار تین سو برس پیشتر۔ سرزمینِ عراق میں ایک جاہل و متمرد قوم حکمران تھی۔ جو اس زمانے کے تمدن و معاشرت کی مالک تھی۔ مادی ترقی کے نشے نے انھیں خدا سے بھلا رکھا تھا۔ اور بندگانِ خدا کے ساتھ ظلم و استبداد کے تمام سلوک روارکھے جاتے تھے۔ بادشاہ وقت بطور دہوتائوں کے پوجا جاتا تھا۔ اجرامِ سماوی شکل چاند۔ سورج اور تاروں کی پرستش ہوتی تھی۔ اور یہی نہیں بلکہ مٹی اور پتھر کی مویلوں کے سامنے وہ سر جھک رہے تھے جو تاجِ خلافت و نیابتِ الہی سے مزین ہونے کے لئے بنے تھے۔ جب قدرتِ کاملہ کو یہ تادیبی و ظلمت مٹانی منظور ہوئی تو اسی قوم کے اندر اسی مرکزِ جہالت و ظلمت سے ایک ایسے عظیم الشان خدا شناس کو اٹھایا جو دنیا کے لئے پیامِ توحید کا مرکز بھی اور محیط بھی ہوا۔ جس کے نورِ مبین کی ضیاء پاشیوں نے ظلمت و ضلالت کے پردوں کو چاک چاک کر دیا اور جس نے تارہ پرست قوم کو آسمانوں اور زمینوں کے خدا سے روشناس کرا دیا۔ یہ بزرگ و برتر مہستی حضرت ابراہیم کے نام نامی سے منقہٴ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔

انہوں نے جب آنکھ کھولی تو اپنے گرد و پیش بت پرستی کے مناظر دیکھے۔ خود اپنے گھر کے اندر بتوں کے قالب موجود پائے جب وہ کالڈیا کے بازاروں میں جاتے تو لوگوں کو بتوں کے سامنے سربسجود دیکھتے جب خدا کی کھلی نقاب میں نکلنے تو وہی سراجرام سماوی کے سامنے جھکے ہوئے ملتے۔ انہوں نے اس ماحول میں پرورش پائی لیکن عامۃ الناس اور ایک نبی میں یہی فرق ہے۔ انسان۔ بقول ایک مشہور انگریز مصنف کے۔ گرد و پیش کے واقعات کا مرقع ہوتا ہے۔ وہ وہی کچھ کرنے لگ جاتا ہے جو کچھ دیکھتا ہے لیکن نبی اپنے ماحول کے اثرات سے یکسر غیر متاثر رہتا ہے اور اس وقت جبکہ اس کے سامنے کوئی مثال موجود نہیں ہوتی وہ بغیر کسی انسانی ذرائع کے ایک ان سے نفی کی لے سے مست ہوتا ہے جو اندر ہی اندر اسے ایک ان دیکھے خدا سے قدوس کی طرف بکھنچتی رہتی ہے۔ اور وہ تمام گرد و پیش کی ان چیزوں سے منہ موڑ کر جو آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی جاتی ہیں۔ اس ایک معبود حقیقی کی طرف رجوع کر لیتا ہے جسے اس وقت اس کے سوا اور کوئی آنکھ دیکھنے والی نہیں ہوتی یہی وہ ملکہ نبوت ہے۔ جو جملہ ملکات اکتسابیہ سے بالکل جداگانہ ہے اور یہ اس وقت وہی طور پر عطا ہوتا ہے جبکہ ”اہل اکتساب“ کے ہاں اس کے تصور کا بھی کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ
وَكُنَّا بِهٖ عَالِمِينَ (۵: ۲۱)۔
ابراہیم کو ہم نے ابتداء سے ہی فہم سلیم عطا فرمادی تھی اور ہم اس سے اچھی طرح واقف تھے۔

ہر چند کہ ایک پرست قوم کا مجمع گرد و پیش تھا لیکن تاروں کی نظر فریب۔ چاند کا حسن و جمال اور سورج کی عظمت و شوکت ان کے قلب سلیم کو مرعوب نہ کر سکی اور اسی وہی رشد و ہدایت کی آواز نے بر ملا کھدیا کہ اِنِّیْ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلٰیۡنَ (میں غروب ہو جانے والی ہستیوں کو دوست نہیں رکھتا۔ یعنی وہ اجرام فلکی جو اپنے وجود و عدم۔ طلوع و غروب اور ضیاء و ظلمت پر خود قادر نہیں بلکہ کسی اور نظام کے ماتحت سرگرداں پھر رہے ہیں۔ وہ خدا نہیں ہو سکتے۔ ان باطل ہستیوں کی بجائے اس مہیبت

کی طرف رجوع کیوں نہ کیا جائے جس کی مشیت اور ارادے کے ماتحت یہ تمام سلسلہ کائنات اپنے وظا
حیات میں مصروف اطاعت ہے۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ
میں ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اس ذات کی طرف
پہر گیا ہوں۔ جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور
میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ (۱۹: ۶)

وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ (۱۹: ۶) اس طرح ہم نے ابراہیم کو زمین و آسمان کا انتظام
دیکھا دیا تاکہ وہ (انہیں ہماری قدرت کی نشانیاں
سمجھ کر کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔

ایمان و ایقان کے ان مراحل کے بعد دعوت الی الحق اور امر بالمعروف کا فریضہ عائد ہوا۔
اور حکم ہوا کہ اس کی ابتدا اپنے ہی گھر سے کی جائے چنانچہ سب سے پہلے اپنے باپ کو (ابا بت پرستی
کے خلاف و عطا فرمایا۔ سورہ مریم میں مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا کہ باوا جان! آپ ان پتھر کے ٹکڑوں
کی کیا پرستش کرتے ہیں۔ جو نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں۔ اور نہ آپ کو کچھ نفع پہنچانے پر قادر ہیں۔
اے میرے باپ! مجھے بصائر و حکم کا وہ علم دیا گیا ہے کہ آپ کو اس کا کچھ علم نہیں۔ اگر منزل مقصود پر
پہنچنا منظور ہے تو میرے نقش قدم پر چلئے۔ اے باپ۔ شیطان کی پرستش نہ کیجئے کہ شیطان تو درگاہ ایزدی
کا دھتکارا ہوا سرکش ہے۔ اے باپ۔ مجھے خوف ہے کہ آپ لوگوں کی اس سرکشی اور اعراض عن الحق کی
وجہ سے آپ پر خدا کا عذاب نہ آجائے۔ اس لئے اس خدا کی طرف رجوع کیجئے۔“

لیکن حق و صداقت کی آواز سے ہمیشہ منہ موڑا گیا ہے۔ ان کے باپ نے ان کی ایک نہ سنی بلکہ
ان ان کو دہمکایا کہ اگر وہ ان کے معبودان باطل کے خلاف کچھ کہیں گے تو سخت سزا دی جائے گی۔
یہ دعا حقیقتاً مع علم صداقت اپنی آواز ان تک پہنچا کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔

ماننا نہ ماننا ان کا کام تھا۔ اب اس کے بعد دعوت عام کا وقت آ گیا۔ اور صعوبات و تکالیف کی پرخار و آواز شروع ہو گئی۔ جس میں سے ہر داعی الی اللہ کو گزرنا پڑتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں شجاعت قلب جو آسان اور قوت بازو کی آزمائش ہوتی ہے۔ پہلی منزل میں اگر اعتراضات اور احباب کی مؤدت و محبت کے خلاف جہاد ہوتا ہے تو اس دوسری منزل میں جملہ ماسویٰ اللہ سے قطع علائق اور جان و مال کی قربانی کا سوال درپیش ہوتا ہے۔ اسے اس راہ میں نہایت سنگین مناظر سے گزرنا ہو گا۔ مشکل سے مشکل امتحان دینے ہوں گے۔ اور قدم قدم پر محبت و حوصلہ کی آزمائش ہو گا، - یہ وہی راہ ہے کہ جس میں -

صد منزل است و منزل اول قیامت است

ایسی سرکش و متمرد قوم کے معبودوں کے خلاف کشتائی کرنا کچھ آسان کام نہ تھا لیکن جو پہلے ہی سیر بھکر میدان میں آئے اسے خوف کس بات کا۔ کہا اور برملا کہا، کہا اور علانیہ کہا۔ چنانچہ سورہ نبیاء میں نہایت دلکش پیرایہ میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔ جو ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔

اذ قال لابنہ و قومہ ما ہذا التائیل اللتی انتم لہا عاکفون۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ کیا پتھر کی موتی ہیں جن کی پرستش پر تم مجھے بیٹھے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم اپنے بڑوں کو ان کی پرستش کرتے دیکھتے چلے آئے ہیں۔ (اس کے سوا تو ہم کچھ جانتے نہیں) آپ نے کہا یقیناً تم اور تمہارے بڑے بوڑھے کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے رہے یہ سن کر انہوں نے کہا کہ یہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو کیا سچ کچھ کہتے ہو یا بول ہی دل لگی کر رہے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ بھلا اس میں لگی کی کونسی بات ہے۔ یہ تو امر حقیقت ہے کہ تمہارا پروردگار صرف وہی ذات ہے جس نے پستیوں اور بلندیوں سب کو پیدا کیا۔ اور میں حق و یقین سے اس کی شہادت دیتا ہوں۔ آپ نے یہ بھی فرمادیا کہ میں ضرور تمہارے معبودوں کے ساتھ تمہارے جانے کے بعد ایک چال چلوں گا۔ (دیکھوں تو بھلا یہ اپنی حفاظت کس طرح کر سکتے ہیں)

”چنانچہ حضرت ابراہیم ان کے بت خانہ میں گئے اور بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور سب بڑے پیر منکدہ کو چھوڑ دیا کہ وہ لوگ شاید اس کی طرف رجوع کریں۔ جب ان لوگوں نے واپس آگرہ ماجرا دیکھا تو لگے آپس میں کہنے کہ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا۔ جس نے ایسا کیا ہے۔ یقیناً اسنے اپنے آپ پر سخت ظلم کیا ہے۔ اس پر بعضوں نے کہا کہ وہ جو ایک نوجوان ہے جسے ابراہیم کہتے ہیں۔ وہ ان بتوں کا ذکر کر رہا تھا۔ ہونہ ہو یہ اسی کی کارروائی معلوم ہوتی ہے۔ (اس پر وہ سخت برہم ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اس نوجوان کو گرفتار کر لاؤ تاکہ سب کے سامنے امر واقعہ کی تحقیق ہو جائے۔ اور یہ لوگ گواہ رہیں۔ چنانچہ لوگ حضرت ابراہیم کو لیکر آئے اور انہوں نے پوچھا کہ اے ابراہیم ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ گستاخی تم نے کی ہے۔ آپ نے الزام فرمایا کہ اس بڑے بزرگ نے یہ کچھ کیا ہوگا۔ بھلا ان سے پوچھو تو سہی اگر یہ جواب دے سکتے ہیں۔ یہ جواب نہ دے گا وہ ایک دوسرے کا منہ دیکھتے لگے اور لگے آپس میں کہنے کہ تمہیں برسز ناحق ہو لیکن گمراہی اور ہٹ و مہر می کا زنگ اتنی جلدی اثر نہیں سکتا تھا۔ اے اللہ حضرت ابراہیم سے کہنے لگے کہ واہ۔ یہ تم نے کیا بات کہی۔ تم تو خود جانتے ہو کہ یہ بات نہیں کر سکتے۔ اس پر اپنے فرمایا کہ یہ کیا اوند ہی عقل ہے کہ تم جانتے ہو جتنے ہوے اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہو۔ جو خود ہی مجبور محض ہیں۔ چہ جائے کہ تمہیں کچھ نفع نقصان پہنچا سکیں تف ہے تمہاری عقلوں پر اور ان چیزوں پر جنہیں تم معبود بنائے بیٹھے ہو۔ کیا تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے۔“

حق و صداقت کی اس باطل شکن آواز کے سامنے جب کچھ بن نہ پڑا۔ تو اپنے ان اوپھے ہتھیاروں پر اتر آئے جو ہر اس باطل پرست کا آخری حربہ ہوتا ہے جسے اپنی مادی قوتوں کے استیلا پر ناز ہوتا ہے۔ انہوں نے کہہ دیا کہ اگر یہ اپنے اس وعظ سے باز نہیں آتا تو ایسے شخص کو آگ میں ڈال کر جلا دو۔ اور اس طرح اپنے معبودوں کا بول بالا ہونے دو۔

اللہ اللہ وہ بھی کس قدر صبر آزا ما مرحلہ تھا۔ سامنے آگ کی شعلہ سامانیاں آمادہ استہلاک

دکھائی دے رہی ہیں یقین ہو چکا ہے کہ اگر اپنی بات میں جبار ہا تو آگ میں جھونک دیا جاؤ لگا۔ لیکن شجاعت قلب ہے کہ تیور پر ہل نہیں پڑنے دیتی۔ صداقت وحی گوئی سے زبان نہیں بکتی۔ صبر و استقلال کے قدم ذرا لغزش نہیں آتی۔ اطمینان قلب ہے کہ خوف و ہراس کو پاس نہیں بھٹکنے دیتا اور ایمان و ایقان ہے کہ اس غلبہ و استیلا کو تار عنکیوت سے زیادہ وقت نہیں دیتا۔ یہ وہ وقت ہے کہ جب دل اور دماغ کی کئی باہمی جنگ شروع ہو جایا کرتی ہے۔ اور اس کشمکش میں کہ

کھینچے ہے مجھے کعبہ تو روکے ہے مجھے دیر

بڑے بڑے صاحبِ ہمت منطقی توجیہات کی خود فریبی میں اگر بارگاہِ عشق سے ہمیشہ کے لئے راندے جاتے ہیں لیکن اس پیکرِ عبودیت کشتہ محبت یعنی خلیل اکبر کا مقام اس سے بہت بلند و بالا تھا وہ خراماں خراماں بڑھا۔ آگ کے جوش کو دیکھ کر بتسم ہوا۔ اور۔

بے خطر کو دپڑا آتشِ نرود میں عشق عقل ہے محو تا شاہے لبِ بامِ ابھی

یہ تو ایک آزمائش اور اتباع کے لئے نمونہ پیش کر کے دکھانا تھا۔ ورنہ کس کا حلنا اور کس کا جلنا رحمتِ الہی جوش میں آئی اور سحابِ کرم کے ایک چھینٹے نے کلذیوں کی آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ اِبْرَاهِيمَ۔ ٹھنڈی اور سلامتی والی ٹھنڈی دکھیں برف ہی نہ ہو جائے لیکن ابھی مسلم کا خطاب نہیں عطا ہوا۔ اس کے لئے ابھی اور منازل باقی ہیں۔

استقلال و تحمل کے علاوہ ایک داعی الی الحق کے لئے اس خصوصیت کا ہونا بھی نہایت ضروری ہے کہ وہ اپنی دعوت کو نہایت مؤثر اور دلنشین پیرایہ میں بیان کرے۔ اس کا انداز و مخاطب ایک مناظرانہ بحث و جدل نہیں بلکہ واعظانہ رشد و ہدایت کا پہلو لئے ہوئے ہوتا ہے۔ اس کی بات اگرچہ اپنے سیدھے سادے فطری اصول کے مطابق ہوتی ہے۔ لیکن ایسی تاثیر میں ڈوبی ہوئی کہ تیر نشانے پر جا کر لگے۔ اس لئے کہ اس کا

مقصود اسکاٹ خصم نہیں بلکہ تسکین قلوب ہوتا ہے وہ محض گرمی محفل کے لئے سخن پروری سے کام نہیں لیتا بلکہ فطری اسلوب بیان سے ایمان و ایتقان کی بنیادیں مضبوط کرتا چلا جاتا ہے۔ وہ جاہلانہ کج بحثی کرنے والوں سے جہل و خصوصیت سے پیش نہیں آتا بلکہ ان کی فکری استعداد کے مطابق معارض کے دل کی گراہی دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کے ساتھ ان کے ہم عصر بادشاہ نے خدا کے بارے میں حجت کی مثال کے طور پر قرآن حکیم نے اس مکالمہ کو سورہ بقرہ میں بیان فرمایا ہے۔

الْمَرَّتْ رَأْيِي الَّذِي حَلَجَ اِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ
 اَنْ اَتَاَهُ اللهُ الْمَلَكَ - اِذْ قَالَ اِبْرَاهِيمُ
 رَبِّي الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ - قَالَ اَنَا اُحْيِي
 وَ اُمِيتُ ط قَالَ اِبْرَاهِيمُ فَاِنَّ اللّٰهَ لَآتِي
 بِاَسْمٰسٍ مِّنَ الْمَشْرِقِ فَاَتَّ بِهَا مَن
 الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ط وَاللّٰهُ
 لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ -

کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے پروردگار کے بارے میں حجت کی تھی۔ کیونکہ اللہ نے اسے بادشاہت دی تھی جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے بادشاہ نے کہا کہ میں بھی جلاتا ہوں اور مارتا ہوں (حضرت ابراہیم نے یہ سکر فرمایا کہ خدا مشرق سے سورج کو نکالتا ہے۔ تو ذرا مغرب سے تو نکال دے۔ اس پر

وہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اللہ ظلم کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

دیکھیے وہی مجادلانہ کج بحثی سے اعراض اور خصمانہ سوال و جواب سے اجتناب۔ پہلی دلیل ہر چند اوضح اور وزنی تھی لیکن اس نے جب طفلانہ مہٹ و مہر می کا ثبوت پیش کیا۔ تو بجائے اس کے کہ اس کی دلیل کی خامیوں کی قلعی کھول کے رکھ دیتے بحث و نظر سے مہٹ کر اس کی فکری (بلکہ اعتقادی) استعداد کے مطابق طریق دعوت اختیار کر لیا۔ جو سکت نہیں بلکہ ممکن تھا نتیجہ یہ نکلا کہ جب حقیقت اس طرح بے نقاب ہو کر اس کے سامنے آگئی تو اس میں کج بحثی کرنے کی جرات ہی نہ رہی۔ لے

لے ہمارے اکثر مفسرین نے اس میں بے سادہ مکالمے کو مصطلحاً مناظرہ کا لنگ دے رکھا ہے۔ اور پھر اس پر منطقی استدلال

یہاں تک تو ان تکالیف و مشکلات کا ذکر تھا۔ لیکن اسوۂ ابراہیمی والی آیت میں والدین کا بھی ذکر ہے۔ اس کے آگے وہ آزمائشیں آتی ہیں جن میں مال اولاد بیوی بھی شامل ہیں۔ مال و اولاد فتنہ اسی لئے کہا گیا ہے کہ آدمی کی اپنی ذات تک جن مصائب کا اثر پڑتا ہو وہ تو برداشت کر لیتا ہے لیکن مال و اولاد کی قربانی بڑا صبر آزما مرحلہ ہوتا ہے۔ سکھ کا خطاب حاصل کرنے کے لئے ان تمام منازل سے گزرنا ضروری ہے۔ آپ کی عمر زیادہ ہو چکی تھی اور اس وقت تک اولاد عطا نہیں ہوئی تھی۔ اولاد کی خواہش ایک فطری اور جائز جذبہ ہے۔ خواہ وہ بھی اسی کی خدمت و اطاعت کے لئے ہی مانگی جائے۔ چنانچہ آپ کی دعاؤں کو شرف قبولیت عطا ہوا۔ اور ایک حلیم و بردبار فرزند کی بشارت دی گئی۔ (فَبَشِّرْنَاهُ بِعَلَىٰ حَلِيمٍ) ان منہوں اور دعاؤں کا بچہ پھر کبر سن میں جتنی بھی خوشی ہو کم اور وہ جس قدر بھی پیارا ہو تھوڑا ہے۔ لیکن صحیح آزمائش اور اسوۂ حسنہ کے مظاہرہ کا وقت بھی اب ہی آیا تھا۔ حکم ہوا کہ بیوی اور شیر خوار بچے کو ایک وادی غیر ذی رزق میں چھوڑ آئیں جس میں زندگی کی سرسبزی و بگھنگلی کا کہیں نشان نظر نہ آئے۔ اس بندہ اطاعت نے بیوی اور بچے کو ساتھ لیا اور ایک بے برگ و گیاہ بق و دق صحرائے عرب میں جا کر چھوڑ آئے۔ رَبَّنَا إِنِّي أَسْأَلُكَ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ۔ محبوب اور پیارے بچے اور رفیقہ حیات کو بر توکل علی اللہ اس

اور ظنیانہ بحث و جدل کے عجب عجیب حاشیے چڑھانے ہیں اور فنی مناظرے کے تمام اصول و اسلوب اور منطقی کرنے کی کوشش کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اشکال و اشکال سے معاملہ اخصاً چلا گیا جس کے لمبے لمبے پھر کئی دور از کار تاویلات سے کام لیا گیا۔ اور کثیر تعبیر سے خواب اور بھی زیادہ پریشان ہوتا گیا۔ حالانکہ یہ ایک منطقی مناظرہ نہیں بلکہ رشد و ہدایت کے لئے ایک عام مکالمہ تھا۔ حال یہ موضوع ایک مستقل بحث چاہتا ہے یہاں اتنا اشارہ ہی کافی ہے۔ اس باب میں مولانا آزاد کے تدبیر فی القرآن سے استفادہ کیا گیا ہے۔ (پرویز)۔

کس پیری کی حالت میں چھوڑ دینا ہی کچھ آسان کام نہ تھا۔ لیکن نہیں ابھی اس سلسلہ ابتلا و امتحان کی آخری کڑی باقی تھی۔ وہ ایسا مقام تھا کہ جہاں فی الواقع ایک عبد مسلم ہی پہنچ سکتا ہے۔

بچہ بڑھا پھلا پھولا۔ برابر کا جوان ہوا۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ۔ اس قابل ہو گیا کہ باپ کے ساتھ کاروبار کو باہر جانے لگا۔ تو خواب میں حکم دیا گیا کہ اے ابراہیم اپنے بیٹے کو ہماری راہ میں قربان کر دے۔

اللہ اکبر کہنے کو تو یہ حکم ایک جملہ واحد میں ادا ہو گیا لیکن۔

دل صاحب اولاد سے انصاف طلب ہے

بال بچے والے کلیجہ تمام کوزر اسونچیں تو سہی کہ اس حکم کی تعمیل میں کتنی قیامتیں پوشیدہ ہیں ایسا اللہ آمین کا بچہ۔ برابر کا جوان بیٹا۔ عصاے پیری۔ تمام زندگی کی امیدوں کا ایک ہی آسرا۔ اور اے اپنے ہاتھ سے ذبح کر دیا جائے۔ اپنا مایہ حیات اپنے ہاتھ لٹا دیا جائے۔ لیکن پریم کی ریت نیاری ہے دیا رحمت کے قانون اس دنیا سے بالکل جدا گانہ ہیں۔ وہاں تو اپنا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ حکم ملا اور لبیک اللہم لبیک کہتے سر جھکا دیا۔ بیوی۔ ہاں اس ہونہ قانتہ بیوی نے بیٹے کو ہنلایا دھلایا۔ گویا عید کے لئے بچے کو باپ کے ہمراہ بھیج رہی ہیں۔ راستہ میں باپ نے بیٹے سے پوچھا کہ

انی اری فی المنام اذ یحک۔ فَاَنْظُرْ اے بیٹا میں نے خواب میں حکم پایا ہے اور دیکھا ہے کہ تجھے
ما ذا تری ما ذکر رہا ہوں۔ کہو تو تمہارا کیا خیال ہے۔

سوال اپنے سن ہی لیا۔ اب اس بچے کا جواب بھی سن لیجئے۔ ذرا غور سے سنئے۔ کہ ایک مسلم گھرنے کے نوہنوں کی بات چیت ہو رہی ہے عرض کیا۔

يَا بَتِّ اَعْلَمُ مَا تَوَصَّر۔ مستجد فی انشاء اللہ کہ ابا جان جو آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ بلا تامل کر گزرے
من الصبرین۔ انشاء اللہ عزیز آپ مجھے صابرین میں سے پائیں گے۔

سبحان اللہ سبحان اللہ۔ باپ تو ان ارادوں کا باپ۔ ماں تو اس حوصلہ کی ماں۔ اور بیٹیا
تو اس حوصلہ کا بیٹیا۔ ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔ باپ نے بیٹے کو زمین پر لٹا دیا چھری ہاتھ میں لے لی
آسمان ساکت ہو گیا کہ اس کی آنکھوں نے ایسا تماشا کبھی نہ دیکھا تھا۔ زمین تھرا اٹھی کہ خون اسماعیل کے
ایک مقدس قطرہ کی بھی وہ متحمل نہ ہو سکتی تھی فرشتے جو حیرت تھے کہ اے اللہ خون ریز اور مفسد انسانوں کی بیویوں
میں تیرے ایسے بندے بھی موجود ہیں۔ باپ نے اپنی محبت اور جذبات اور بیٹے نے اپنی جان و نفس کو
محبوب حقیقی کے ایک اشارے پر قربان گاہ عشق میں بلا تکلف بھینٹ کے لئے حاضر کر دیا۔ اطاعت و انقیاد،
تسلیم و رضا۔ پرو کر دینے اور نوپ دینے بیچ دینے اور سر جھکا دینے۔ کی یہ آخری منزل تھی۔ یہ وہ مقام
تھا کہ جہاں پہنچ کر وہ صحیح معنوں میں مسلم ہوئے۔ چنانچہ عین اس مقام پر ارشاد ہے ا۔

فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهٖ لِلْحَبِیْنِ۔ کہ جب وہ دونوں مسلم ہو گئے۔ اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا
وَنَادَیْنَاهُ اِنَّ یَا اِبْرٰهٖمَ قَدْ صَدَقْتَ تو ہم نے آواز دی اے ابراہیم کہ تو نے توکل
الرُّوْیَا۔ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْحَسِنِیْنَ۔ اِن هٰذِکَ کَرُوْکَہَا یَا بَشِیْکَ تُوْنِے اپنے خواب کو سچا کر دیا تو کوکل
لَهُوْا الْبَلَاءُ الْمُبِیْنِ۔ وَفَدَّیْنَاهُ بِبَیْعٍ عَظِیْمٍ کو ہم اسی طرح اجر دیا کرتے ہیں۔ یقیناً یہ امتحان
وَتَرٰکُنَا عَلَیْہِ فِی الْاٰخِرِیْنَ سَلَامٌ عَلٰی بہت بیماری تھا۔ اس کے بدلے میں ہم تمہیں ایک
اِبْرٰهٖمَ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْحَسِنِیْنَ ۱۰۱:۳۵ ابراہیم کو قربانی دیتے ہیں۔ جو قیامت تک باقی رہے گی
درو و سلام ہو ابراہیم پر۔ ہم اسی طرح اپنے نیک بندوں کو اجر دیتے ہیں۔ بیشک ابراہیم ہمارے مومن
بندوں میں سے تھے۔

یہ ہے وہ مقام جہاں پہنچ کر ایک خدا پرست انسان مسلم و مومن کہلا سکتا ہے۔ یوں ہی

منہ سے کہہ دینے سے کچھ نہیں بنتا۔

یہ شہادت کہہ الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

اس جاندارہ حمیت کی قربانیوں کا تقاضا تھا کہ ایک یادگار عظیم قائم کی جاتی جو قیامت تک باقی رہے۔ دنیا میں خدا پرست انسانوں کی عبادت کا کوئی مرکزی مقام نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بت کو وہ عالم میں ایک اپنا گھر بنانا چاہا۔ اور اس کے لئے خشک و غیر ذی زرع وادی کی اسی صحرائی قربانگاہ کو منتخب کیا۔ اور اس یادگار عظیم کی تقریب میں اسی باپ بیٹے کو حکم دیا

ان طَصِرَ كَيْتِي لِلطَّائِفِينَ - وَالْعَاكِفِينَ وَ
الركع السجود۔
کرنے والوں کے لئے پاکیزہ کر کے (بنائیں)۔

کس قدر عجیب سماں تھا کہ ابراہیم جیسا باپ اور اسماعیل جیسا بیٹا (عیدہما الصلوٰۃ والسلام)۔ دنیا کے بتوں میں وہ پہلا گھر خدا کا بنا رہے ہوں گے۔ بیٹا پتھر اور چونا لاتا تھا اور باپ دیواریں کھڑی کر رہا تھا۔ کام بھی کرتے جاتے اور ساتھ ساتھ دعائیں بھی مانگتے جاتے کہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۤ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ بِنَا
وَاَجْعَلْنَا مُسْلِمِيۤنَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً
لَّكَ ۗ وَاَرِنَا مَا بَدَلْنَا وَثَبَّ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ
التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ۗ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيۡهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ
يَتْلُوۡا عَلَیْهِمُ الْاٰیٰتِکَ وَتُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْکِیۡبَ وَ الْحِجۡمَ ۗ
وَيَذِکِّرُهُمۡ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَنِیُّ الْحَلِیۡمُ ۗ ()
تو ہی (دعاؤں کا) سنتے والا ہے اور (دلوں کے حال) جاننے والا ہے۔ الہی بہم کو اپنا مسلم بنا۔ اور پھر ہماری
فصل میں سے ایک ایسی قوم پیدا کر جو ہماری ہی طرح مسلم ہو
تو ہم کو اپنی اطاعت کے راستے دکھا دے۔ ہماری خطاؤں
سے درگزر کر کہ تو ہی خطا بخش و رحیم ہے۔ اے خدا۔

اس آیت میں سے جس کے لئے دعا کی گئی ہے، ایک ایسا رسول بھیجو جو ان کو تیری آیات پڑھ کر نائے کتابت حکمت کی انھیں تعلیم دے اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرے۔ اے اللہ تو ہی صاحب اختیار اور حکمت والا ہے
دو اولیں مسلم خدا پرستوں کی دعا کے یہ الفاظ اور ہر زبان سے نکل رہے تھے اور ادھر اجابت

بارگاہ ایزدی سے بہر استقبال آرہی تھی۔ وہ پتھر اور چھنے کی عمارت جس کا سنگ بنیاد ان مقدس ہاتھوں نے رکھا تھا۔ کروڑوں انسانوں کی پرستش گاہ بنی۔ اور اٹھ کا گھر کہلانی چشم فلک نے ہزاروں عمارتیں ٹھٹھیں اور پھر خاک میں ملتی دیکھیں۔ لیکن اس وحشت ناک صحرا میں دو غریب انسانوں کی بنائی ہوئی عمارت اپنی اصلی بنیادوں کا پتہ آج تک دیتی چلی آرہی ہے۔ دنیا میں ہزاروں انقلاب آئے جنہوں نے زمین کے تختے الٹ گئے رکھ دیے۔ لیکن اگر تمام حوادث ارضی و سماوی سے محفوظ رہی تو یہی مٹی اور پتھر کی چار دیواری بڑی بڑی تمدن قوموں کی تاریخی روایات لوگوں نے سنی اور بھلا دیں۔ بڑے بڑے جابر و سرکش شاہنشاہوں کے کارہائے نمایاں صفحہ تاریخ میں محفوظ ہوئے اور حرف غلط کی طبع مت گئے۔ لیکن ان دو مخلص برگزیدہ مستیوں کی قربانی کی پانچ ہزار سال سے آج تک قائم ہے۔ کیونکہ ان کے خدا کا ان سے وعدہ تھا کہ **تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ**۔ بیشک اس کی راہ میں کوئی قربانی رائیگاں نہیں جاتی۔ **إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ**۔

یہ تھے اس بزرگ و مقدس ہستی کے بعض اعمال حیات جنہیں امت مسلمہ کے لئے لبور اسوہ حسنہ پیش کیا گیا ہے۔ اس ایک وجود اقدس کے اندر یقیناً ایک امت کا راز حیات مضمر تھا۔ اور جب تک وہ امت موجود ہے۔ وہ بھی موجود رہے گا۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا
بِشِكِّ ابْرَاهِيمَ إِكْ طَاعَتِ كَذَارِ اَمْتِ تَحَا۔ جَوَاك
لِلَّهِ حَنِيفًا۔ وَ لَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ ۵ اٹھ کا ہو گیا تھا۔ اور وہ مشرکین میں سے نہ تھا۔